دیباچہ

اسلامی تہذیب کو دوبارہ عظیم کیسے بنایا جائے

اسلام کا سنہری دور

متنازعہ مسلمان معاشرے جدید سائنسی منصوبوں میں شمولیت کے لئے معروف نہیں سمجھے جاتے۔ پھر بھی، وہ عربی سائنسی علوم کے ایک افسانوی "سنہری دور" کے وارث ہیں، جو آٹھویں سے لیکر میں تیرہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ مقناطیسی کمپاس اور نیویگیشن کے آلات، قلم اور طباعت میں مہارت، اور بہت کچھ مسلم سائنس دانوں کی ہی ایجادات تھیں۔ عام انگریزی الفاظ جیسے کہ الجبرا، الگورتھم، کیمیا، الکحل، الکالی، نادر، زینیتھ، کافی، اور لیموں؛ یہ سب عربی سے ہی ماخوذ ہیں، جو مغرب میں اسلام کی شرکت اور حصے کی عکاسی کرتے ہیں۔

طب میں پیشرفت

اسلامی سنہری دور میں طب میں بھی ترقی ہوئی۔ مشہور عربی سائنس کی تاریخ کے مفکرین اور قرون وسطی کے تمام معالجین میں سب سے بڑے لوگوں میں شمار ہونے والے، الرازی (محمد بن زکریا الرازی) تھے۔ وہ موجودہ شہر تہران میں پیدا ہوئے۔ رازی، جو 925 عیسوی میں انتقال کر گئے تھے، انہوں نے بغداد میں تربیت حاصل کی اور دو اسپتالوں کے ڈائریکٹر بن گئے تھے۔ انہوں چیچک اور خسرہ کی پہچان کروائی، اور ایک ایسا مقالہ لکھا جو پہلے مشرق وسطی میں اثرورسوخ کا باعث بن گیا اور پھر انیسویں صدی میں یورپ کے اندر بھی اس کے چرچے ہو گئے۔ رازی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دریافت کیا کہ بخار دراصل ایک دفاعی طریقہ کار ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ بیماری کیسے لگتی ہے اور اسے کیسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ وہ انسائیکلوپیڈیا آف میڈیسہ کے مصنف تھے جس کی تیئس جلدیں ہیں۔

فکری آزادی

1258 کے منگول حملے میں اس کے خاتمے تک، خلافتِ عباسیہ اسلامی دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی اور عرب تاریخ میں سب سے زیادہ فکری طور پر پیداواری تحریک کی نگرانی کرتی تھی۔ اس تحریک کی فکری آزادی کی وجہ سے ہی یونانی اور فارسی کے کاموں کا عربی اسکالرز نے ترجمہ کیا اور اس پر تبصرہ کیا۔ بغداد میں علمی احیاء کے نتیجے میں کلاسیکی یونانی تصانیف کی تقریباً تمام سائنسی تخلیقات کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔ مسلم مفکرین نے فلسفہ، فلکیات، طب، کیمیا، جغرافیہ، طبیعیات، آپٹکس، اور ریاضی جیسے شعبوں میں، تحریری اور طریقہ کار کے تجربات، دونوں کے ذریعہ اصل شراکت کی۔

بہت سے پیچیدہ عوامل نے بہترین ترقی کے سنہری دور کو جنم دیا۔ اہم عناصر میں سے چند عربی معاشروں میں فکری آزادیوں اور ثقافتی کشادگی کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اگرچہ قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا نے اکیسویں صدی کے معیار کے مقابلے میں صرف محدود آزادی دی تھی، لیکن اُس دور نے اپنے

پیش رووں، اپنے ہم عصروں، اور اپنے بیشتر جانشینوں سے کہیں زیادہ آزادی کی پیش کش کی تھی۔ مسلم دنیا کو اپنے ماضی کے اُن حصوں کو بحال کرنا ہو گا جو عقلی اور کھلی تفتیش کی قدر کرتے ہیں۔ ایمان اور دنیاوی معاملات میں قرآن نے بار بار استدلال کے استعمال پر زور دیا ہے۔

اسلام آزادی، سائنس، یا معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے، کیونکہ ماضی میں مسلم معاشرے ان تینوں کے ہی سرخیل تھے۔ آزادی کا تصور مغربی ثقافت سے منفرد نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آزادی کے بہت سارے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں، جیسے مذہب کی آزادی، انفرادی حقوق، اور رضامندی یا جمہوریت کے ذریعہ حکومت کرنا۔

سیکولرازم کی طرف رجحان

جوڈو کرسٹیئن روایات کے انقلاب کے بعد ہی مغربی تہذیب نے جدیدیت حاصل کی۔ عیسائی چرچ کی جانب سے گلا گھونٹنے جیسے انتقام کے ساتھ بیدار ہونے کے بعد ہی، سیکولر اور روحانی کے مابین فرق معلوم ہونا شروع ہوا۔ یورپ کے عیسائیوں کے درمیان کئی صدیوں کی فرقہ وارانہ لڑائی نے مغرب کی سیکولرائزیشن کو مزید تقویت بخشی۔ تاہم، پوری جدید تاریخ کے دوران خدا کے ساتھ کمزور ہونے والے تعلقات نے نسبت پسندانہ نظریات کا ایک پنڈورا باکس کھول دیا، جس کی کوئی چیز مستقل نہیں تھی۔

مغربی معاشرے، سائنس اور معاشی ترقی میں اپنی شاندار کامیابی کے باوجود، بہت ساری معاشرتی بیماریوں کا سامنا کر رہے ہیں جن کے انکو آسان حل نہیں مل رہے ہیں۔ مغربی مذہبی تجربے سے مسلمان جو اہم سبق سیکھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ فرقہ واریت کی برائی روحانی زوال کی علامت ہوتی ہے اور بالآخر یہ چیز لوگوں کی اکثریت کو مذہب کو نجی معاملہ کہنے اور اس کی بجائے سیکولرازم کو اپنانے پر لا سکتی ہے۔

اس بات کے اب کافی زیادہ اشارے مل رہے ہیں کہ اب جبکہ، مشرق وسطی اور اس کے قرب وجوار پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے، تو نو آبادیاتی دور کے استحصال کے تناظر میں ہونے والے جابرانہ نظام اور غیر اسلامی حکومتوں کے دور کے بعد، اب اسلامی معاشرے لمبی نیند اور جزوی جمود کی طرف سے دور جا رہے ہیں۔

تمام عظیم تاریخی مذاہب کی طرح، اسلام بھی ترقی کے بہت سے مراحل سے گزر چکا ہے۔ اپنی پوری تاریخ میں، اسلامی کمیونٹی کو اپنی مستقل زندگی اور بقاء کے لئے داخلی اور بیرونی خطرات کا جواب دینا پڑا ہے۔ اس کے نتیجے میں، اسلام میں مذہبی تجدید اور اصلاح کی ایک طویل روایت ہے۔

یہ عقیدہ کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو نیک اور صالح معاشرہ قائم کیا، وہ مستقبل کے اسلامی معاشروں کی تشکیل کے لئے پہلے سے ہی ایک معمولی اور بنیادی میٹرکس کا حامل تھا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آج کے مسلمانوں کو ساتویں صدی کی زندگی میں رجوع کرنا ہو گا۔ اس کے برعکس، نبی ﷺ کے ذریعے قائم کی جانے والی پہلی اسلامی حکومت ایک اچھا نقطہ آغاز ہے، جس کے خطوط پر جدید اسلامی معاشرے منصفانہ اور اخلاقی نظام کے تعین کے لئے ترقی اور ارتقاء جاری رکھ سکتے ہیں۔

تجدید کے لئے، غیر اسلامی تاریخی عقائد یا غیر مطلوب بدعات کو بھی ختم کرنے کی ضرورت ہے جس نے معاشرتی زندگی کو خراب کر دیا ہے، جس میں دوسرے قوانین کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت کو فروغ دینے والے قوانین، خواتین کے حقوق دبانا، اور توہین رسالت اور گستاخیوں کے لئے غیر اسلامی سزائیں وغیرہ شامل ہیں۔

سیکولر معاشرے جن معاشرتی بیماریوں سے دوچار ہیں، انکو روکنے کے لئے عوامی زندگی میں اسلام کا کردار اخلاقی بنیاد پر مشتمل ہے۔ مستقبل کی ایک مثالی اسلامی برادری جو دونوں جہانوں کا بہترین امتزاج ہو گی وہ ہے دراصل: ایسے آزاد اسلامی معاشرے جن میں معاشرتی بیماریوں کی سطح بہت کم ہو۔

باب اوّل

شریعت کا تعارف

اکثر کہا جاتا ہے کہ **اسلام**، قوانین کا مذہب ہے۔ اسلامی تقوے کے تمام بیانات و اظہار و تاثرات میں، قانون سب سے زیادہ خاصیت رکھتا ہے۔ مسلمان اسلامی قوانین کو بیان کرنے کے لئے دو الفاظ استعمال کرتے ہیں: شریعت اور فقہ (اسلامی قوانین)۔ لفظی شریعت کا اصطلاحی مطلب ہے "پانی والی جگہ / سیر اب کرنے والی جگہ کی جانب جانے والا راستہ"، چونکہ پانی ہر قسم کی نامیاتی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔

آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ (اللہ) سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ﴿لہٰذا احرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو﴾۔ (المائدہ:3)

مذکورہ بالا آیت قرآن مجید کے پیغام پر مُہر ثبت کرتی ہے۔ یہ وحی عرفات (مکہ) میں بروز جمعہ 9 ذی الحجہ، 10 ہجری کو نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات سے تقریباً بیاسی دن پہلے۔ کوئی بھی قانونی شق یا حکم وغیرہ نہیں ہے جو اس آیت کے بعد نازل ہوا ہو، اور یہ آیت اس بات کا حوالہ دیتی ہے کہ اللہ نے اسلام و ایمان کو مکمل کر دیا ہے اور اپنے پر ایمان لانے والوں پر اپنے انعامات و برکات کو مکمل طور پر نچھاور کر دیا ہے۔ انسان کی خدا کے سامنے خود سپُردگی سچے مذہب کی اساس، یا قانونی بنیاد کے طور پر ظاہر کی جاتی ہے۔ یہ خود سپُردگی نہ صرف اللہ پر ایمان کے اظہار کا باعث ہے بلکہ اس کے احکامات کی اطاعت کا بھی باعث ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تکمیلِ قرآنی کا اعلان اس آیت کے سباق میں شامل کیا گیا ہے جس میں نبی محمد ﷺ پر وحی میں سب سے آخری اسلامی قانونی آرڈیننسز کی وضاحت کی گئی ہے۔

مذہبی قوانین کی چار مراحل میں کاملیت

قرآن کے مطالعہ سے یہ واضح تاثر ملتا ہے کہ انسان کی جانب اللہ کی وحی چار بڑے مراحل طے کر کے آئی ہے۔ پہلے، ابراہیمؑ پر وحی کے ذریعے، اللہ نے توحید کی حقیقت کو ظاہر کیا، یعنی اللہ کی وحدانیت۔ دوسرے نمبر پر، موسیٰؑ کے ذریعے، اللہ نے دس احکام نازل فرمائے۔ تیسرا، عیسیٰؑ پر وحی کے ذریعے، جن پر اللہ نے یہ سنہری اصول وحی کیا کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں سے اپنوں جیسا پیار کرنا چاہیئے۔ یہ سب ہستیاں مستند انبیاءؑ تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اللہ کی نازل شدہ ہدایت کے تحت زندگی کے پلیٹ فارم میں ناگزیر فرمانبرداری کی زندگی گزاری۔

صرف ایک سوال کا جواب نہیں مل پایا، یعنی چوتھے سوال کا: ہمیں اپنے ہمسائے سے محبت کیسے کرنی چاہیئے؟ اگر عیسیٰؑ کا طویل وقت ہوتا، یا انسانیت اتنی ترقی یافتہ ہو چکی کہ وہ اصلاحات کی صورتوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی، تو وہ (عیسیٰؑ) اپنے نظریات کو زیادہ منظم بنیادوں پر پیش کر سکتے ہوتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہو سکا تھا، سو عیسیٰؑ کا کام ادھورا رہ گیا تھا۔ لہٰذا اخلاقیات کے قوانین کو منظم کرنے کے لئے ایک اور اساتذ کو مخصوص کیا گیا تھا۔

اس پیچیدگیوں والی دنیا میں پڑوسی سے محبت کا تقاضا کیا ہے، وہ دنیا جس میں انسانی مفادات ایک دوسرے کے مفادات کو عبور کر کے الجھے پڑے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ایک آخری نبی کی ضرورت تھی، اور وہ محمد ﷺ تھے۔ باہمی تعلقات میں اسلام کا بنیادی مقصد عین وہی ہے جو عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کا تھا، یعنی کے آپس میں بھائیوں جیسی محبت رکھنا۔ اسلام کا مخصوص پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے اس طرح کے آئیڈیل نظریات کی نہ صرف وضاحت کرتا ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے تفصیلی تجاویز کو پیش کر کے عمل کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس آخری سوال کا جواب اس طرح سے دیا ہے کہ اس کے نتیجے میں محمد ﷺ کے ذریعہ دینی قانون کی کاملیت اپنے کمال درجے پر مکمل کردی گئی، لہذا نبی ﷺ "انبیاء کرام کی مہر" کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔ اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے نبی ﷺ انبیاء کی اس باوقار فہرست میں سب سے آخر میں آتے ہیں، لیکن ان کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے۔ وہ انبیاء کی مہر "خاتم" ہیں، یعنی اللہ کی جانب سے بھیجے گئے سب سے آخری پیامبر۔ محمد ﷺ کے ذریعے اللہ نے اپنا آخری پیغام انسانیت کے نام بھیجا۔ اس کے بعد، کوئی بھی اس میں ردوبدل یا اضافہ نہیں کر سکتا۔

شریعت اور مغربی قوانین میں فرق

شریعت اور مغربی قوانین کے مابین دو اہم فرق ہیں، جن میں سے کوئی بھی امریکی آئین سے متصادم نہیں ہے۔

اسلامی قانون کا وسیع دائرہ کار

شریعت کا دائرہ بہت وسیع ہے کیونکہ یہ انسان کے تعلقات کو نہ صرف اُس کے پڑوسیوں اور ریاست کے ساتھ بہتر بناتا ہے، جو کہ اکثر قانونی نظاموں کی حدود میں شامل ہے، بلکہ شریعت کا یہ دائرہ کار اللہ کے ساتھ اور انسان کے اپنے ضمیر کے ساتھ بھی اس کے تعلق کو قائم کرتا ہے۔ یہ شریعت میں شامل ایک بہت بڑی بات بھی ہے، جس کا جدید دنیاوالوں کے قانون میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی 6000 میں سے 600 آیات کا تعلق نماز اور رسوم کے معاملات سے ہے، جن کو "قانون" جیسے لفظ کی تعریف کے تحت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر، شریعت کا لفظ مذہب کو عزت دینے والی ہر چیز کو منظم کرتا ہے، یعنی عقائد یا ایمان، اور رسوم دونوں کو۔ **"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں / اصول وضوابط کی پوری پابندی کرو!" (المائدہ:1)۔**

مذکورہ آیت میں "عہد یا اصول وضوابط" کی اصطلاح ایک پختہ حلف یا شمولیت کو ظاہر کرتی ہے جس میں ایک سے زیادہ فریقین شامل ہوتے ہے۔ اس آیت میں دو طرح کے معاہدوں یا اصولوں کا حوالہ دیا گیا ہے، جو انسان کی اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں کی تمام حدود کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

انسان اور اللہ کے مابین معاہدہ اسلام کے **بنیادی عقائد (ایمان) میں شامل ہے۔ ایمان کے پانچ بنیادی اجزاء میں ایک خدا پر، تمام انبیاء پر، تمام نازل شدہ صحیفوں پر، فرشتوں اور قیامت کے دن پر ایمان لانا شامل ہے۔** شریعت میں فرائض کی دو اقسام میں مزید تقسیم کی گئی ہے: حقوق اللہ، اور حقوق العباد، جیسے اپنے کنبے اور معاشرے کے لئے انسان کی ذمہ داریاں۔ اللہ سے انسان کا عہد نامہ یا انسان پر عائد حقوق اللہ کو پانچ ستونوں میں تلخیص کر کے بیان کیا گیا ہے، یعنی کہ، **ایمان لانا (اسلامی عقیدہ)، نماز، زکوۃ ﴿یا غریبوں کی مدد کے لئے ٹیکس کی ادائیگی﴾، روزہ، اور حج (مکہ مکرمہ کا زیارتی سفر)۔**

خاندان اور معاشرے کے بارے میں انسان کی ذمہ داریوں میں لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، غلط کاموں سے اجتناب کرنا، دوسروں کو معاوضہ ادا کرنا اگر بالصورت ہم ان کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھیں، دوسروں کی بھلائیوں اور نیکیوں کو فروغ دینا، ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا جو ہماری مدد کرتے ہیں، اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی قوانین معاشرے کو سدھارتے ہیں

اس کے بعد اب اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔ (سورہ جاثیہ- 18-20)

اس وحی میں قرآن مجید انسان کے لئے ایمان کا مقصد ظاہر کرتا ہے، تاکہ وہ سیدھے راستے پر عمل کرے۔ ان لوگوں کی پسند اور ناپسند کی حمایت نہ کرے جو بنیادی طور پر اللہ کے احکامات کی پیروی نہیں کرتے بلکہ وہ محض دنیاوی حالات کو بدلتا دیکھ کر ان کو حق سمجھ کر سیدھی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ ایک طرف، سیکولر قانونی نظام ان تقاضوں پر مبنی ہیں جو معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ دوسری جانب، اسلامی قانون کا بنیادی ضابطہ اخلاق اللہ کی مرضی پر مبنی ہے اور اخلاقی اقدار میں کسی بھی تبدیلی کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتا. اسلامی شریعت میں، یہ معاشرہ نہیں ہوتا جو قوانین کو ڈھالتا ہے اور ان کی تدوین کرتا ہے بلکہ دراصل قوانین ہوتے ہیں جو معاشرے کو ڈھال کر اس کی تدوین کرتے ہیں۔ شریعت اپنے اراکین کے اعمال کو منظم کرتی ہے اور جرمانے کے نفاذ کے ذریعہ قانون کو نافذ کرسکتی ہے۔

اسلام سے پہلے اور بعد کا عرب معاشرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی قوانین کس طرح معاشرے کا اخلاقی رجحان تبدیل کرتے ہیں۔ ہسٹن اسمتھ اپنی کتاب "دی ریجنز آف مین" میں لکھتا ہے، "ہم اسلام سے پہلے اور اس کے بعد کے عرب کے فرق کو دیکھتے ہیں تو یہ پوچھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا تاریخ کبھی بھی اس طرح کی تقابلی اخلاقیات کی ترقی کی گواہی دیتی ہے کہ اتنے کم وقت میں بہت سارے لوگوں میں تبدیلی آئی ہو۔"

محمد ﷺ سے پہلے عملی طور پر قبیلوں کے مابین تشدد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ مال و دولت اور وراثت میں میں واضح عدم مساوات کو بے ضمیر ہو کر قبول کیا جاتا تھا۔ عورتوں کو انسان ہونے سے زیادہ مال و متاع سمجھا جاتا تھا۔ بجائے یہ کہنے کہ آدمی لا محدود تعداد میں بیویاں رکھ سکتا تھا، یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ عام خواتین کے ساتھ اس کے تعلقات اتنے عام اور زیادہ تھے کہ وہ پہلی یا دوسری بیوی کے بعد شاذونادر ہی شادی کا بندھن قائم کرتے تھے (بلا نکاح تعلقات رکھنا عام تھا)۔ بچوں کا قتل عام تھا، خاص کر لڑکیوں کا۔ شراب پینا اور بڑے پیمانے پر جوا کھیلنا بھی عام تھا۔ "نصف صدی کے اندر، اُن میں ہر ایک پہلو کی اخلاقیات میں ایک قابل ذکر تبدیلی آئی۔ اگر ہم پوچھیں کہ اسلام میں ایسا کیا تھا جو اس قابل تھا کہ اس معجزے جیسے مقصد کو پورا کرتا، تو ہم ایک ایسے مقام پر پہنچتے ہیں جس بارے میں ہم پہلے ہی ریمارکس دے چکے ہیں، یعنی اسلام کا نمایاں خصوصی منفرد امتیاز۔

2

اسلامی قانون کے ذرائع

قرآن مجید

اور جس کسی چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا ہے تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔وہی میرا رب ہے ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔(الشوری۔10)

شریعت کے دو بنیادی ماخذ قرآن اور سنت رسول ﷺ ہیں۔سب سے پہلے قرآن مجید ، خدا کا کلام ہے ، جس کے واضح احکام سب سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔روحانی ہدایت کا منبع ہونے کے علاوہ ، قرآن مجید اخلاقی اور قانونی آرڈیننس کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی ہے۔ قرآن کی تقریباً اسی آیات قانونی عنوانات کو "قانون" کی اصطلاح کے اصلی معنی میں استعمال کرتی ہیں۔کچھ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں: خاندانی قوانین ، شادی ، طلاق ، وراثت ، خاندانی زندگی ، اور بچوں کی پرورش ، معاہدہ و تعلقات ، تجارت ، گورننس ، جرم ، اور سزا کے اصول وغیرہ۔

مزید دنیاوی امور کے دائرے میں ، شریعت اسلامیہ مسلمان کو حلال کھانے کی چیزوں ، شراب اور سؤر کے گوشت کی ممانعت ، جانوروں کے مناسب ذبح سے متعلق قواعد ، اسلامی لحاظ سے قابل قبول لباس کے انداز ، اور یہاں تک کہ شریعت اسلامیہ معاشرے کے آپس کے بہتر تعلقات کے لئے قواعد بھی بتاتی ہے۔

قرآن حکیم قوانین ایک تفصیلی کتاب نہیں ہے

قرآن مسلمانوں کا آئین اور ان کا لئے قانون کا پہلا منبع ہے۔ایک آئین کے طور پر، قرآن مجید ایک عام قانون پیش کرتا ہے اور اس کے بارے میں شاذ و نادر ہی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔یہ وسیع، عمومی اخلاقی ہدایات پر مشتمل ہے۔یعنی کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اور کس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اپنے وسیع دائرہ کار کے باوجود، قرآن ایک مکمل ضابطہ اخلاق تشکیل نہیں دیتا۔نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:"اللہ تعالیٰ، جو سب سے زیادہ عزت والا ہے، اس نے کچھ فرائض عائد کئے ہیں، لہٰذا ان کو نظر انداز نہ کریں۔کچھ حدود طے کردی ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کریں۔اللہ نے کچھ چیزوں کو ممنوع قرار دیا ہے، لہٰذا ان کا ارتکاب نہ کریں۔اللہ نے کچھ چیزیں آپ کے لئے بغیر کسی احکامات کے چھوڑی ہیں، یہ نہیں ہے کہ وہ ان کو بھول گیا ہے۔"کچھ معاملات قرآن مجید میں بغیر کسی حکم کے بیان کئے گئے تھے۔کچھ معاملات کے بارے میں کچھ بھی بیان نہ کر کے، اللہ نے انھیں انسان کی آزادانہ مرضی پر چھوڑ دیا ہے، اس طرح یہ انسان کو اپنے ضمیر اور معاشرے کے بہترین مفادات کے مطابق عمل کرنے کا اہل بناتا ہے۔

سنت وحدیث

سنت نبی ﷺ کا باقاعدہ کر کے دکھایا گیا عمل ہے۔ حدیث سنت کا تحریری ریکارڈ ہے۔ حدیث یا احادیث کا مجموعہ یا نبی محمد ﷺ کی روایات، الفاظ، عمل اور صریح منظوری خود قرآن مجید کے دوسرے حق کے بطور تسلیم کی گئی ہے۔ سنت قرآنی احکام کی تکمیل کر سکتی ہے لیکن انھیں کبھی بھی ایک طرف جدا کر کے نہیں رکھ سکتی۔

جب قرآنی قوانین کو کسی تھوڑی سی کم مستند حدیث یا روایت کے ساتھ ملایا جاتا ہے، جو حضرت محمد ﷺ نے عمل کیا یا فرمایا، تو ہمیں اسلام کو انسان کے لئے سب سے زیادہ سماجی طور پائیدار مذاہب کی ہونے پر تعجب نہیں ہوتا۔ وہ مغرب والے لوگ جو ذاتی تجربے کے لحاظ سے مذہب کی تعریف کرتے ہیں، وہ کبھی بھی مسلمانوں کی طرح نہیں سمجھ پائیں گے، جن کا مذہب انہیں ایک مخصوص قسم کا معاشرتی نظام قائم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، جہاں غریبوں، مظلوموں، یتیموں، اور بیواؤں کے حقوق کو فراموش نہیں کیا جاتا۔ مذہب اور سیاست، مذہب اور معاشرہ، اسلام میں لازم وملزوم ہیں۔

رسول ﷺ کی اطاعت کرو

نہیں، اے محمد! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں۔ (النساء– 65)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔ اور جو منہ موڑ گیا، تو بہر حال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔ (النساء– 79،80)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (احزاب– 36)

مذکورہ بالا آیات میں ہر مسلمان پر اُن آرڈیننس وفرامین کو قبول کرنے کی قطعی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، جسے نبی ﷺ نے الٰہی الہام کے تحت، قرآن مجید کی تفسیر اور وضاحت بیان کرتے ہوئے، مومنوں کو یہ موقع دیا کہ وہ اس حکم کو حقیقی حالات پر لاگو کریں۔ یہ آرڈیننسز دراصل حضرت محمد ﷺ کی سنت (لفظی طور پر، "راستہ") کے طور پر بیان کیے گئے ہیں اور جب بھی کسی بھی شبہ کا امکان ہو، تو ہر شک سے بالاتر تصدیق کرتے ہیں کیونکہ ان کو پوری قانونی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ جب بھی قرآن مجید میں کوئی خاص قانون وضع کیا گیا تا یا نبی ﷺ کے حکم سے بطور حکم نامہ نافذ کیا جاتا ہے، مومنوں کا رویہ اور عمل متعلقہ قانون کی پیروی پر مشتمل ہونا چاہئے، نہ کہ اپنے مفادات یا تعصبات پر مشتمل ہو۔ وہ مسلمان جن کا یہ خیال ہے کہ بعض

احادیث کی مشکوک صداقت کی وجہ سے احادیث کے سارے ذخیرے کو کالعدم قرار دیا جانا چاہئے، وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ تمام احادیث کو رد کرنے کا مطلب ہے کہ اسلام کے دل کو تقسیم کر دینا۔

احادیث کے ذخیرے کی حدود

مذہبی نقطہ نظر سے احادیث کی حقیقت کو عام طور پر کسی بھی شک سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔ جب ہم زمینی اور انسانی امور کی بات کرتے ہیں تو نبی ﷺ اور دوسرے انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک حدیث نبوی ﷺ کے مطابق: "جب بھی میں تمہیں دین سے متعلق کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہوں تو اس کی اطاعت کرو، اور اگر میں تمہیں اپنی رائے کے مطابق کچھ کرنے کا حکم دوں (تو اس بات کو یاد رکھو) میں انسان ہوں۔"

احادیث کو جمع کرنے کا طریقہ کار

جبکہ قرآن کو خدا کا کلام سمجھا جاتا ہے، احادیث کو وقت کے ساتھ ساتھ ایک سخت اصولوں والے لیکن واضح طریقہ کار کے تحت جمع کیا گیا۔ تنقید کا ایک بنیادی مسئلہ ہے – یعنی کہ، یہ معلوم کرنے میں دقت پیش آنا کہ حدیث میں کتنا مواد موجود ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں کا ایک مستند ریکارڈ ہے اور اس کا کتنا حصہ ایسا ہے جو اسلام میں ضم کر دیا گیا ہے جو کہ در حقیقت اس سے خارج باہر کے ذرائع سے داخل کیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران، ان کے بہت سے ساتھیوں نے ان کے اقوال کو اپنے پڑھنے اور یاد رکھنے کے لئے لکھ لیا تھا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اور اسلامی سلطنت کی توسیع کے ساتھ ہی، امت مسلمہ کی طرف سے احادیث کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے دو سو سال بعد تک احادیث جمع کرنے کا عمل جاری رہا۔ احادیث کو لکھنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے صحابہ اور مشاہدہ کرنے والوں کی پہلی گواہی حاصل کر کے ایسا کیا۔

اور تابعین اور تبع تابعین کی دوسری گواہی کے ذریعے بھی جو انہوں نے صحابہ سے ذریعے پائی۔

انسانوں کی یادداشت کی خرابی

طویل عرصے سے انسان کی یادداشت ناقص رہی ہے۔ صحیح البخاری کا کام حدیث نبوی ﷺ کے تمام کاموں میں سب سے مشہور ہے۔ امام بخاریؒ نے تقریبا300،000 احادیث اکٹھی کیں لیکن انہوں نے تقریباً 7275 کا مستند کے طور پر انتخاب کیا۔ انکو 292،727 احادیث ایسی ملیں جن کی تصدیق صحیح حدیث کے طور پر نہیں ہو سکتی تھی۔

اس سے قطع نظر کہ وہ کتنے ہی باریک بین اور مکمل علمائے کرام تھے، سو فیصد مستند احادیث کو پیش کرنا انسانی طور پر ناممکن تھا۔

ضعیف احادیث

احادیث کو جمع کرتے وقت، ضعیف اور موضوع احادیث بھی گھڑی جا رہی تھیں، یا تو حکمرانوں اور بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے یا دین اسلام کی ہدایات میں بدعنوانی کرنے کے لئے۔ اس حقیقت کا ذکر صحیح البخاری کے تعارف میں ہوا ہے۔ اسی دور میں تحریری احادیث کا ذخیرہ مرتب کیا جا رہا تھا، اور اس مواد کو بھی اکٹھا کیا جا رہا تھا جو نبی ﷺ نے نہیں سکھایا تھا بلکہ انتہائی مہارت سے غیر معمولی مضر تعلیمات کو آہستہ آہستہ بنیاد میں شامل کر دیا گیا تھا، جس نے لوگوں کو قرآن کی متحرک تعلیمات سے دور کر دیا۔

مسلم علماء کی ایک اہم شخصیت امام النسائی بھی تھے۔ وہ حدیث کے نقائص / ضعف اور راویوں کے حالات سے متعلق وسیع آگاہی کے لئے مشہور تھے۔ امام النسائی نے چار افراد کو جھوٹا ہونے کے طور پر شناخت کیا تھا جو جھوٹی احادیث گھڑتے تھے۔ بغداد کا الوقیدی، مدینہ کا ابراہیم ابن ابی یحیی، خراسان کا مقاتل، اور شام کا محمد بن سعید، جھوٹی احادیث گھڑنے کے لئے مشہور تھے۔

الواقدی

الواقدی کو ایک ناقابل اعتماد راوی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی گئی ہے اور اس کو علمائے کرام نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ چنانچہ محدث علمائے کرام کی اکثریت نے اس کی روایات ترک کر دی تھیں۔ یحیی بن معین نے کہا: "الوقیدی نے پیغمبر ﷺ کے بارے میں 20000 جھوٹی حدیثیں بیان کیں۔" امام الشافی، امام احمد ابن حنبل، اور البانی نے اسے جھوٹا کہا ہے، جبکہ امام بخاری نے کہا ہے کہ انہوں نے اپنی حدیث کے ذخیرے میں الواقدی کا ایک حرف بھی شامل نہیں کیا۔ بہر حال، اسلام کے ایک اہم نقاد، ولیم موی نے اپنی کتاب لائف آف محمد ﷺ میں اکثر جگہ حوالہ دیا ہے، کہ الواقدی نے نبی ﷺ بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابوہریرہؓ

الواقدی جیسے خناس کوگوں کے مقابلے میں ابوہریرہؓ جیسے عظیم المرتبت لوگ بھی ہیں۔ ابوہریرہؓ حدیث کے ایک بہت ہی مشہور راوی تھے۔ دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے انہیں بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابوہریرہؓ کو سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔

حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھیوں جیسے ابو بکرؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی ابن ابی طالبؓ، اور دیگر نے ابوہریرہؓ کے مقابلے میں احادیث کی سب سے کم تعداد نقل کی ہے۔

ضعیف و موضوع احادیث کے مسلم معاشرے پر منفی اثرات

قرآن مجید پر احادیث بالادستی کا تاثر آج مسلم معاشروں میں پھیل رہا، جو کہ اس لئے ایک غلط فہمی ہے کیونکہ بہت سارے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ ناقابل اعتراض ہے اور اس کو ایک قانونی اختیار حاصل ہے، بالکل قرآن مجید کی طرح ہے۔ اگر تو احادیث میں ضعیف اور موضوع احادیث گھڑ کر بیان نہ کی گئی ہوتیں، تو معاملہ کچھ اور تھا۔ مگر چونکہ اسلام دشمن عناصر نے کچھ موضوع احادیث گھڑ کر صحیح ذخیرہ احادیث میں شامل

کرنے کی ناپاک جسارت کی تھی، اس لئے اب امت مسلمہ کو سوچ سمجھ کر اور سازشوں سے بچ کر چلنے کی ضرورت ہے۔ اس بات کا موازنہ اُن انجیلوں سے کیا جا سکتا ہے، جو یسوع کی وفات کے بہت سال بعد لکھی گئی تھیں۔ تمام احادیث کے مجموعوں کو ناقابل اعتراض نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ دراصل کچھ سازشی عناصر نے ان میں موضوع احادیث گھڑ کر شامل کر دیں ہیں اس لئے تمام احادیث کو دیکھ اور پرکھ کر چلنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر:

- کچھ احادیث قرآنی تعلیمات کے منافی ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ ان سات جلدوں کے مطالعہ کے دوران، مصنف نے بہت ساری احادیث کی نشاندہی کی ہے جو قرآن کے مخالف ہیں۔ مثال کے طور پر، چند موضوع احادیث میں بعض لوگ نبی ﷺ کی جانب کئی جھوٹے معجزات بھی منسوب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کئی لوگوں نے پیغمبر اکرم ﷺ اچھے کردار پر خوفناک گند ڈالنے کی کوشش کی ہوئی ہے (نعوذ باللہ)
- بعض جھوٹی اور ضعیف احادیث اسلام میں فرقہ واریت کا سبب بنتی ہیں، جو اسلامی تہذیب میں زوال کی ایک بڑی وجہ ہے۔ شیعہ اور سنی فرقوں کے مابین اختلافات بھی کئی مرتبہ ضعیف احادیث کی وجہ سے ہوتے ہیں۔
- اسلام کے ناقدین اسلام پر حملہ کرنے کے لئے اکثر ضعیف احادیث کا استعمال کرتے ہیں۔

روایات کی قرآن مجید کے ذریعہ تصدیق کی جا سکتی ہے

قرآن کو سونے جیسا معیار سمجھا جاتا ہے، اور کوئی بھی حدیث جو واضح طور پر قرآن کی تعلیم کے منافی ہو اسے تحقیق کے بعد موضوع احادیث کے ذخیرے میں سمجھا جانا چاہیے۔ یہ ابن خلدون کے فارمولے کے مطابق ہے، جس کے مطابق صحیح روایات کی قرآن کے ذریعے توثیق اور سلسلہ صحیحہ کی اسناد کے مطابق تصدیق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی قانون کے ثانوی ماخذ

اجماع

جو مسئلہ درکار ہوتا ہے، مندرجہ بالا دو بنیادی ماخذوں میں اسے ڈھونڈنے میں ناکامی پر، وکیل یا مسئلے کا فیصلہ کرنے والا علمائے کرام اور کمیونٹی کے اتفاق رائے سے کسی مسئلے کی جانب رجوع کر سکتا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا، "میری امت کسی غلطی پر اجماع نہیں کرے گی" (ترمذی)۔ "نبی ﷺ کی زندہ سنت" کو زندہ رکھنے کے لئے پوری نیک نیتی سے جدوجہد کرنے والی امت یہ سوچ سکتی ہے کہ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو نبی ﷺ کیا کرتے۔ یہ اصول اسلام کے روایت پسندانہ نقطہ نظر کی جانب ایک اشارہ ہے اور معاشرے کی زندگی کے لئے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اتفاق رائے (اجماع) نے اسلامی قانون کی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ اجماع ایک قاعدے یا قانون سے متعلق اکثریت کے معاہدے کی نمائندگی کرتا ہے، یا تو مسلم معاشرے کے ذریعے یا خاص طور پر مسلم علماء کے ذریعہ۔ جدید دنیا میں اتفاق رائے کے نظریہ کو مفید بنانے کی کوششوں کے لئے مشاورت کے نظریات (شوریٰ) اور پارلیمینٹ ازم کا استعمال کیا جاتا ہے۔

تشبیہاتی استدلال

اسلامی قانون میں، قرآن وسنت سے فقہی اصولوں کے استنباط پر تشبیہاتی استدلال کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب نئے حالات یا مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو علماء قرآن وسنت میں اسی طرح کی ملتی جلتی صورتحال کی تلاش کرتے ہیں۔ یہ شریعت کے اصول کے پیچھے کارآمد وجہ یا وجہ کی کلیدی کھوج ہے۔ اگر کسی نئی صورتحال یا معاملے میں اسی طرح کی وجہ کی نشاندہی کی جاسکتی ہو، تو پھر کیس کو حل کرنے کے لئے فیصلہ میں توسیع کردی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، قرآن مجید میں منشیات کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے اور ابتدائی مسلمانوں کو اسکا معلوم بھی نہیں تھا۔ قرآن مجید میں شراب کے استعمال پر واضح طور پر پابندی ہے۔ تشبیہاتی طور پر بات کی جائے تو، طبی وجوہات کے علاوہ، نشہ آور ادویات کا استعمال بھی ممنوع ہے، کیونکہ شراب کے نشے کی طرح ان کے بھی اسی طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ججوں کا کردار

اپنی زندگی کے دوران، پیغمبر ﷺ نے امت کے اعلیٰ ترین جج کی حیثیت سے کام کیا اور پیدا ہونے والے قانونی مسائل کو قرآن کی عام شقوں کی ترجمانی اور توسیع کرکے حل کیا، اس طرح ایک قانونی روایت قائم کی جسے ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہنا تھا۔ نبی ﷺ کے سیاسی جانشینوں کے ماتحت اسلامی دائرے کی تیزی سے توسیع کے ساتھ، مسلم جمہوریہ انتظامی طور پر زیادہ پیچیدہ ہوگئی اور ان سرزمینوں کے قوانین اور اداروں کے ساتھ رابطے میں آگئی جن پر مسلمانوں نے فتح حاصل کی تھی۔ مختلف صوبوں اور اضلاع میں ججوں یا قاضیوں کی تقرری کے ساتھ ہی ایک منظم عدلیہ وجود میں آئی۔ قاضی انتظامی اور مالی قانون کی بڑھتی ہوئے امور کے ذمہ دار تھے، اور انہوں نے فتح شدہ علاقوں میں عملی طور پر رومن بازنطینی اور فارسی سوسیانی قانون کے عناصر اور اداروں کو اپنایا۔

ایک انفرادی قاضی کی صوابدید پر انحصار کرتے ہوئے، عدالتی فیصلے قرآن کے ان اصولوں پر مبنی ہوسکتے تھے جن سے یہ متعلق تھے، لیکن مدینہ کے دور میں قرآنی قوانین کو جس تیزی سے مرتکب کیا گیا تھا وہ سرگرمیوں کے بڑھتے ہوئے افق کے ساتھ کھوگئے تھے۔ مسلم شریعہ، شریعت کے عین مطابق شرائط کا پتہ لگانے کی سائنس ہے، اسے فقہ (لفظی طور پر، "تفہیم") کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آٹھویں صدی کے دوسرے نصف حصے کے آغاز سے، فقہ کی زبانی ترسیل اور نشوونما نے ایک تحریری قانونی ادب کو راستہ دیا جس میں قانون کے مادے اور اسے اخذ کرنے اور جواز کے لئے مناسب طریقہ کار کی تلاش کے لئے وقف کیا گیا تھا۔

قرون وسطیٰ کے پورے دور میں، بنیادی نظریے کی وضاحت کی گئی اور ایک بڑی تعداد میں تفسیرات کو ترتیب دیا گیا، اور اسی طرح اس دوران شائع ہونے والے مضامین شریعی قانون کی روایتی اتھارٹی رکھتے ہیں۔

3

اسلامی فقہ

فقہ اللہ کی رضا کے خصوصی اصولوں کا ترجمہ کرنے کی انسانی کوششوں کا نام ہے۔ یہ فقہ کی سائنس ہی ہے جو ماخذ مواد سے قانون کے اصول اخذ کرتی ہے اور متعدد موٹی جلدوں میں لکھی جاتی ہے۔

اسکولز آف لاء

قرآنی قانون کی تشریح میں فقہ کے اصولوں کے بارے میں اختلافات ہیں۔ پہلی اور دوسری اسلامی صدیوں میں، متعدد اسکول اف لاء سامنے آئے، ہر ایک مختلف نقطہ نظر کے ساتھ اور ہر ایک دوسرے کے ساتھ کوئی نہ کوئی اختلاف رکھتا تھا۔ تیسری اسلامی صدی تک، پانچ مکاتب فکر ابھرے اور اب تک زندہ ہیں۔ ہر اسکول کا تعلق ایک ممتاز فقیہ کے نام سے ہے جن کی تعلیمات کو اس اسکول آف تھاٹ نے اپنایا ہے۔

- پیروکاروں کی سب سے بڑی تعداد عراقی فقیہ ابو حنیفہؒ کے اسکول سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔
- الشافعیؒ کو فقہ کی سائنس کے لوازمات تخلیق کرنے کا اعزاز حاصل ہے، انہوں نے فقہ کے چار اصول / ذرائع / اجزاء نامزد کیے، جو اہمیت کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس (تشبیہ کا طریقہ) ہیں۔
- مالک ابن انسؒ، مدینہ کے روایت پسند، تیسرے اسکول کے بانی تھے۔
- سب سے کم تعداد والا اور سختی سے دین کے اصولوں کی پابندی کرنے والا اسکول احمد بن حنبلؒ کا ہے، جو اس وقت صرف عرب تک ہی محدود ہے، جہاں ان کی غیر متصادم روایت پسندی کا حریت پسند اہلحدیث (وہابی) فرقے سے تعلق ہے۔
- شیعہ مسلک کے مسلمان جعفر بن محمد الصادق کے مکتبہ فکر کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ علیؓ کے جانشین تھے اور خود بھی ایک ممتاز مسلم فقیہ تھے۔ وہ ایک مشہور اسلامی اسکالر تھے اور شیعہ اور سنی دونوں ہی مسلمان ان کی عزت کرتے ہیں۔

فقہ کی حدود

شریعت اور فقہ دو مختلف تصورات ہیں۔ شریعت سے مراد ایسی کوئی چیز ہے جو خدائی اور بغیر کسی شبے کے ہے، اور مؤخر الذکر غلطی کا سبب ہو سکتی ہے اور اس میں بحث و مباحثہ اور تبدیلی ہو سکتی ہے۔ مسلم قانونی اسکالر اپنے زوال کے اسباب سے بہت واقف تھے، اور اگرچہ ان کے کام کا مقصد اللہ کا قانون تھا، مگر وہ اللہ کے لئے بات نہیں کرتے۔

آزادانہ سوچ کی روایت

ایک روایت کے مطابق، جب پیغمبر ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو آپ نے معاذؓ سے پوچھا، "آپ کس فیصلے کے مطابق فیصلہ کریں گے ؟"

معاذؓ نے جواب دیا، "قرآن کے مطابق۔"

پھر نبی ﷺ نے پوچھا، "اور اگر آپکو اس میں کچھ بھی نہ ملے ؟" معاذؓ نے کہا، "سنت رسول ﷺ کے مطابق"۔

"اور اگر آپ کو اس میں بھی کچھ نہ ملا تو؟"

معاذؓ نے جواب دیا، "تب میں اپنے فیصلے کے لئے خود سے اجتہاد کروں گا۔"

نبی ﷺ ان کے جواب پر خوش ہوئے۔ یہ حدیث قانونی معاملات میں تنقیدی سوچ اور انفرادی فیصلے کے کردار کو ظاہر کرتی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد انفرادی فیصلے کی ضرورت اس وقت پیدا ہوئی، جب اسلام کی وسعت پذیر سلطنت کا قرآن اور سنت کے دائرے سے دور معاشروں اور حالات سے تعلق قائم ہوا۔ ابتدائی مسلم اسکالرز کا انفرادی فیصلے کے عمل میں کافی تجربہ تھا، جسے "روشنی کی کرن" کہا جاتا تھا۔ آزاد فیصلے کو تب تک جائز سمجھا جاتا تھا جب تک کہ وہ فیصلہ دور دراز کے مسائل کی حدود میں بھی نئے اور غیر متوقع حالات کے حل کے لئے بنیادی شرعی اصولوں کو اپناتا تھا۔

اسلام کی پہلی چار صدیوں میں قانونی معاملات کے سلسلے میں بھرپور بحث اور لچک دیکھنے کو ملی؛ یہ اجتہاد کی روایت تھی، یا آزادانہ فیصلہ اور تنقیدی سوچ۔ ابتدائی صدیوں میں، اسلامی قانون کی نشو و نما کے ساتھ، اجتہاد کی ضرورت کی وجہ نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا، کیوں کہ خلیفہ، جج، فقہاء، اور قانونی علماء نے ایسے قوانین کی ترجمانی کی جن کے بارے میں کوئی واضح، مخصوص متن یا اتفاق رائے موجود نہیں تھا۔ ابو حنیفہؒ، جو کہ ایک عراقی فقیہ تھے، تخلیقی سوچ اور تشبیہاتی استدلال کے استعمال کے سرخیل تھے۔

وجہ کے ساتھ وحی کا انضمام

ایک عظیم اسلامی اسکالر، فلسفی، اور عالم دین، الغزالی، نے علت و وحی کے مابین درمیانی راستہ اختیار کیا: "نیک ترین علوم وہ ہیں جن میں دلیل اور شواہد کا نکاح کر دیا جاتا ہے اور جن میں وجہ کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ جو وحی پر مبنی ہیں۔ فقہ کی سائنس ان علوم میں سے ایک ہے۔ یہ وحی کی پاکیزگی اور بہترین علت سے یکساں طور پر منسلک ہوتی ہے۔ اس کے باوجود، فقہ مکمل طور پر ایسے استدلال پر انحصار نہیں کرتی، جو وحی کے ذریعے نازل کردہ قانون کے لئے ناقابل قبول ہو، اور نہ ہی یہ اندھی تقلید کی بنیاد پر ہے، جس کی علت کی جانب سے معاونت نہ کی جاسکے۔"

اسلامی قانون کی تعمیل

علت کے دروازوں کی بندش

الشافیؒ مالک ابن انسؒ، اور احمد ابن حنبلؒ نے قانونی اصولوں کی جانچ میں نجی فیصلے کی مشق کو تقریباً مکمل طور پر خارج کر دیا تھا۔ اسوہ حسنہ کی طاقت، کلام پاک اور روایات کی پاسداری، یہ سب پوری طرح ان پر لاگو تھا۔ اجتہاد کو ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا تھا کیونکہ تمام اہم قانونی سوالات کو پہلے ہی جواب دیا گیا سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی وحی کی نئی تفاسیر ایک جرم بن گیا۔ گیارہویں صدی کے اختتام تک، اختلافی نظریات کو تیزی سے ایک مسئلے کے طور پر دیکھا جارہا تھا، اور مطلق العنان حکمران اختلاف رائے سے پریشان تھے —لہذا "اجتہاد کے دروازے" سنی مسلمانوں کے لئے بند کر دیئے گئے تھے۔ شیعوں (اقلیتی شاخ) نے اس سلسلے میں کبھی بھی سنیوں کی پیروی نہیں کی اور عملی طور پر، شیعوں کا قانون سنیوں کے مقابلہ میں تھوڑا زیادہ لچکدار رہا ہے۔

تقلید کی ڈاکٹرائن

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔ (لقمٰن – 21)

قرآن کی جانب سے مختلف رائے رکھنے کی اجازت کی تصدیق کرنے کی بجائے، جو متنوع آراء کے وجود کی اجازت دیتا ہے اور مسلمانوں کو اپنی عقل کو مستقل طور پر استعمال کرنے کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس کے الٹ شدتِ اختلاف اور اندھی اطاعت ایک رسم بن گئی۔ تقلید کی ڈاکٹرائن، یا مطلب کہ کسی کے باپ دادا کے مذہب یا مذہبی علماء کی آنکھیں بند کر کے پیروی کرنا، قرآن کے ذریعہ اس کی سخت مذمت کی گئی ہے، جس کا ثبوت مندرجہ بالا آیت سے بھی ملتا ہے۔

سنی فقہائے کرام کی بعد کی تمام نسلوں کو تقلید کا پابند سمجھا جاتا تھا، جو اپنے عظیم پیشروؤں کی قبولیت کو بلا کسی شک کے مستند قرار دیتے تھے، اور قائم کردہ مثالوں سے قانونی رائے اخذ کرسکتے تھے۔ جو کچھ کرنے کو باقی بچا تھا وہ محض یہ تھا کہ مذہبی حکام کی ہدایات کو مانا جاتا تھا؛ اور اخلاقیات کو سمجھنے کے لئے، صرف قانونی فرمانوں کو پڑھنے کی ضرورت تھی۔ ایسے دانشور جنہوں نے اس فکری، عدم استدلال کی تحریک کے خلاف مزاحمت کی، وہ بد نظمی سے دوچار ہو گئے۔ مثال کے طور پر ابن رشد کو بدعات کے سبب ملک بدر کر دیا گیا، اور اس کی کتابیں جلادی گئیں۔

اسلامی تہذیب کا زوال

خالق اور اس کی تخلیق کے اذہان کے مابین رابطہ منقطع ہونا آج کے دور میں اسلام کے سب سے گہرے زوال کا باعث ہے۔ استدلال اور تنقیدی سوچ کے ترک ہونے کے نتیجے میں، اسلامی تہذیب کا زوال شروع ہوا، اور یورپ کے تاریک دور کی تیز ہواؤں نے اپنی سمت اسلامی دنیا کی جانب کر دی۔ جب اندھیرے اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے، یورپ عقلی سوچ پر مبنی ایک بے مثال روشن خیالی کے دور میں سامنے ابھرا، جو انسان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ علت کو ترک کرنے کی وجہ سے، مسلم مفکرین اسلامی تہذیب کے ضیاع پر سوگوار ہوئے، جس سے ہم ابھی تک مکمل طور پر نکل نہیں سکے۔

سیاست اور اسلامی قوانین

خدا کی زمین پر کہیں بھی بسنے والے مسلمان اپنی نجی زندگی میں شریعت پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔ کوئی بھی کسی مسلمان کو نماز پڑھنے، صدقہ کرنے، روزہ رکھنے اور اس طرح سے اعمال کرنے سے روک نہیں سکتا۔ وہ مسلمان جو آزاد، سیکولر معاشروں میں رہتے ہیں انہیں اپنے آپ کو اسلامی قوانین سے آشنا کرنا چاہئے اور ان کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق عملی جامہ پہنانا چاہئے۔

مکہ مکرمہ کے دور میں، پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کے پیروکار سخت ظلم و ستم کے تحت اسلام پر عمل پیرا تھے۔ اسلامی ممالک میں سیاستدانوں کے ذریعہ استعمال ہونے والی ایک مقبول سیاسی چال یہ ہے کہ وہ ریاستی ڈھانچے کے ذریعہ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ چونکہ سیاستدان کسی بھی متعصب، فرقہ وارانہ گروہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے، لہذا وہ سینکڑوں سال پہلے لکھے گئے بہت سے فرسودہ قوانین کے مختلف حصوں کو نافذ کر دیتے ہیں۔

موجودہ دور کی شریعت کی بعض غلطیاں کیا ہیں

اسلامی قانون کے نفاذ کا مقصد ایک اسلامی معاشرے کے لئے اخلاقی تعلق اور کچھ حدود قائم کرنا ہے۔ ان قوانین کی تشکیل میں، کلیدی اصول جس پر عمل کیا جانا چاہئے وہ یہ ہے کہ قرآن کی روح کے خلاف کوئی بھی قانون ناقابل قبول ہے۔ یہ ممکنہ طور پر زنا، جوے، فحاشی، شراب نوشی اور دیگر

برائیوں کو معاشرے کا معمول بننے سے روکے گا۔ نام نہاد اسلامی ریاستوں میں موجودہ شریعت کے قوانین قرآن وسنت کے کچھ بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ذیل میں کچھ مثالیں ہیں۔

فرقہ واریت

سیاست دانوں کے ذریعہ نام نہاد اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوشش کا نتیجہ عام طور پر بنیادی طریقوں سے قرآن کے اصولوں کی خلاف ورزی ہوتا ہے۔ سنیوں اور شیعہ کے لئے مختلف قوانین طے کرنے نے اسلام کا اتحاد اور بھائی چارہ توڑ دیا ہے۔ یہ فرقہ واریت کو قانونی حیثیت دینے کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت کو باقاعدہ رائج کرتا ہے، جو در حقیقت ایک جان لیوا گناہ ہے جس کے نتیجے میں انسانی روحوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

امریکہ کا ایک ہی آئین اور قوانین کا ایک مجموعہ ہے جو تمام شہریوں پر مذہب، ذات پات، نسل سے قطع نظر لاگو ہوتا ہے۔ اسی طرح، مسلمانوں کے لئے، خدا کا صرف ایک ہی قانون ہے جو زیادہ تر قرآن اور مستند سنت پر مبنی ہے۔ اسلامی ریاستوں کو فرقہ واریت کے کینسر اور تقلید کے اسلام مخالف تصور کی حوصلہ شکنی کے لئے تمام مسلمانوں پر لاگو ہونے والا واحد، جامع اسلامی قانون تشکیل دینا چاہئے۔ تمام نقصان دہ عقائد کی نشاندہی کرنے اور ان عقائد کو پاک کرنے، اور قرآن مجید میں سکھائے گئے اصل نظریہ کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے۔

آزادی کا فقدان

قرآن حکیم نے "رضامندی اور مشاورت" کے ذریعہ منتخب کردہ حکومت قائم کی ہے۔ آمریت اور بادشاہتیں فطری طور پر غیر اسلامی ہیں۔ غیر اسلامی طرز عمل میں جمہوریت، مذہب کی آزادی، اور اظہار رائے کی آزادی کا احترام نہیں کیا جاتا اور اقلیتوں کو اکثریت کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔

خواتین کا دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت

مدینہ میں امت کی پہلی خواتین نے اپنی عوامی زندگی میں بھرپور حصہ لیا، اور بعض نے مختلف جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ ایسا نہیں لگتا تھا کہ انہوں نے اسلام کا ایک جابر مذہب کے طور پر تجربہ کیا ہو گا۔ بعد میں، مردوں نے ایمان کو ہائی جیک کر لیا اور خواتین کو خدا کی جانب سے عطا کردہ آزادی دینے سے انکار کر دیا۔ شہری کے طور پر عورت کے حقوق میں – تعلیم، مراعات اور پیشے کی شناخت میں – قرآن نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ مکمل مساوات کا راستہ کھولا ہے۔ نبی ﷺ! نے فرمایا، "اے خواتین! آپ کو خدا نے اپنی ضروریات کے لئے باہر جانے کی اجازت دی ہے۔" جب ایک عورت نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ صرف مرد ہی نبی ﷺ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک خاص

دن مقرر کیا۔ اسلامی قانون کے تحت خواتین آزاد اخلاقی افراد ہیں، بالکل جیسا کہ مرد ہیں، اور ان کو اپنے مذہب کو انتخاب کرنے کا حق اور ذمہ داری ہے۔ خواتین کو نہ صرف گھروں سے باہر جانے کی اجازت ہے، بلکہ انہیں نقل و حرکت کی آزادی کا بھی حق حاصل ہے۔

سزائے موت

قرآن مجید میں سزائے موت دینے کی صرف قتل یا غداری کے جرم کی صورت میں اجازت ہے۔ قتل کی صورت میں، اگر متاثرہ کے اہل خانہ معاشی معاوضے کو قبول کرتے ہیں تو، سزائے موت کی چھوٹ دی جاتی ہے۔ منشیات فروشوں، ہم جنس پرستوں، زانیوں، حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بننے والوں، وغیرہ کو سزائے موت دینے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں سنگسار کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ کچھ مستثنیات کے ساتھ، اسلامی قوانین کے تحت سزائے موت ختم کر دی گئی ہے۔

اخلاقیاتی پولیس

قرآن مجید شہریوں کی جاسوسی کی مذمت کرتا ہے۔ بعض نام نہاد اسلامی ممالک میں، "اخلاقیاتی پولیس "شہریوں کو معمولی خلاف ورزیوں کے لئے ہراساں کرنے کے لئے سرگرمی سے جاسوسی کرتی ہے۔

سیکولر قوانین

اکیسویں صدی کی جدید شریعت کو سائنسی قوانین کے ساتھ ملا کر دیکھا جانا چاہئے جیسا کہ سائنسی ثبوت جن میں فنگر پرنٹ، ڈی این اے ٹیکنالوجی، ٹریسنگ کے ثبوت، اور تعزیری ضابطے میں شامل دیگر لاتعداد سائنسی پیشرفتیں شامل ہیں۔ فارسینک سائنس عینی شاہدین کے قانون، جو کہ دراصل اسلامی مجرمانہ قانون کی اساس ہے، سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے۔

4

اسلامی قانون کے عمومی اصول

حلال وحرام

دیکھئے: بتاؤ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔پوچھو: کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو؟(سورہ یونس– 59)

قرآن م مجیدیا نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے ذریعہ کوئی بھی چیز جوواضح طور پر منع نہ ہووہ جائزہے (حلال)۔جس کے بارے میں قرآن مجیداور پیغمبر ﷺ نے چھوڑ دیا ہے اورکچھ نہیں بتایا، یعنی نہ اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی اس کی ممانعت کی ہے،وہ جائزہے- یعنی وہ چیزنہ منع ہے اور نہ ہی لازم ہے۔صرف قرآن مجید یا پیغمبر ﷺ نے جو کچھ بھی منع کیا وہ غیر قانونی ہے (حرام)۔

قرآن کا لچکدار اور متحرک پیغام

اے ایمان والو! ایسی باتوں سے متعلق سوال نہ کرو جو اگر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں گراں گذریں اور اگر تم ان کی بابت ایسے زمانے میں سوال کرو گے ، جب قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔اللہ نے ان سے درگذر فرمایا اور اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے ۔اسی طرح کی باتیں تم سے پہلے ایک قوم نے پوچھیں تو وہ ان کے منکر ہوکر رہ گئے۔(سورہ المائدہ– 101-102)

مذکورہ بالا آیات کا سبق یہ ہے کہ قرآنی احکامات سے کسی خاص چیز کو کم نہ کیا جائے۔ایسا کرنے سے مومنین پر قرآن مجید میں قانون کے متعلق جو کچھ مقرر کیا گیا ہے، اس سے زیادہ اضافی بوجھ پڑسکتے ہیں۔

اپنے ایک خطبے میں، نبی ﷺ! نے فرمایا، "اے میری قوم! اللہ نے آپ کے لئے زیارت [حج] مقرر کیا ہے۔لہذا، اسے انجام دیا کرو۔" اس کے بعد کسی نے پوچھا ، "ہر سال، اے اللہ کے رسول ﷺ؟" نبی ﷺ خاموش رہے، اور اس شخص نے اپنا سوال دو بار

دہرایا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا، "اگر میں نے ہاں میں جواب دیا ہوتا؛ ہر سال حج کرنا آپ پر لازم ہوجاتا: اور واقعتاً یہ امت سے نہ ہوسکتا۔ مجھ سے ان معاملات کے بارے میں مت پوچھاکریں جن کو میں چھوڑ دیتا ہوں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی ایسے لوگ موجود تھے جن پر عذاب ہوا، کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء سے بہت سارے سوالات کئے تھے اور اس کے بعد ان کی تعلیمات سے اختلاف کیا تھا۔ لہذا، اگر میں آپ کو کچھ بھی حکم دیتا ہوں تو، جتنا آپ کر سکتے ہیں اسے سرانجام دیں؛ اور اگر میں آپ کو کسی چیز سے منع کرتا ہوں تو اس سے پرہیز کریں۔"

ایک گائے کی قربانی اور قانونی طورپر بالوں کو الگ کرنا

گائے کی قربانی کاواقعہ کسی عام حکم سے کوئی مخصوصیت نکالنے کی کوشش کی ایک اور مثال ہے۔ اس واقعے میں موسوی قانون کا حوالہ دیا گیا ہے، جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حل نہ ہوسکنے والی قتل کی بعض صورتوں میں گائے کی قربانی دی جانی چاہئے۔ قتل کی جگہ کے قریب واقع قصبے یا گاؤں کے عمائدین کو قتل کی جگہ پر اپنے ہاتھ دھو کر یہ اعلان کرنا تھا کہ، "ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں بہایا، اور نہ ہی ہماری آنکھوں نے اسے دیکھا"۔ جس کی وجہ سے اس امت نے اجتماعی ذمہ داری سے بری ہوجانا تھا۔ عہد نامہ کے اس پرانے آرڈیننس کی تفصیلات کے لئے، ڈیوٹرونامی دیکھیں 21۔1 تا9۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو۔ وہ بولے، کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو۔ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ بیل کس طرح کا ہو۔ (موسیٰ نے) کہا کہ پروردگار فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا، بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو۔ جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے، ویسا کرو۔ انہوں نے کہا کہ پروردگار سے درخواست کیجئے کہ ہم کو یہ بھی بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا، پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ (اب کے) پروردگار سے پھر درخواست کیجئے کہ ہم کو بتا دے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو، کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں، (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ بیل کام میں لگا ہوا نہ ہو، نہ تو زمین جوتتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو۔ اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے، اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس بیل کو ذبح کیا، اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، تو اس میں باہم جھگڑنے لگے۔ لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے، خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا (البقرہ:67-72)

طنز کا الزام اس لئے عائد کیا گیا کیونکہ موسیٰؑ نے مذکورہ آرڈیننس کو بہت ہی عام شرائط کے ساتھ بیان کیا تھا، بغیر کسی تفصیلات کی۔ بنی اسرائیل کی موسیٰؑ کے توسط سے ان پر نازل کردہ آسان حکم کی مزید تفصیلات حاصل کرنے کی خواہش نے بنی اسرائیلیوں کے لئے اس کی تکمیل کرنا تقریباً ناممکن بنا دیا۔ اگر وہ اپنی کے منتخب کردہ کسی بھی گائے کی قربانی دے دیتے، تو وہ اپنا فرض ادا کر دیتے، لیکن انہوں نے اس عمل کو اپنے لئے پیچیدہ کر لیا۔

جمع کے صیغے میں "آپ" کا استعمال اجتماعی، کمیونٹی کی ذمہ داری کے اصول کے طور پر ہے جو کسی ایسے شخص یا نامعلوم افراد کی جانب سے قتل کے معاملات میں موزیک قانون نے مرتب کیا ہو۔ خدا کی جانب سے قصوروار کو روشنی میں لانا سے قیامت مراد ہے۔

تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو (البقرہ– 73)

مذکورہ بالا جملے کو "حل نہ ہوسکنے والے قتل کے واقعات میں سے کچھ پر اس اصول کو لاگو کرنے" کے طور پر مناسب طور پر پیش کیا جاسکتا ہے ، کیونکہ کسی شخص یا انجان افراد کے ذریعہ قتل کی فرقہ وارانہ ذمہ داری کے اصول کو صرف کچھ لوگوں پر لاگو کیا جاسکتا ہے، مگر ایسے تمام معاملات پر نہیں۔ خدا اس طرح کے پیغامات یا آرڈیننس کے ذریعے اپنی مرضی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ علامتی بیان "خدا موت سے ہر جان کو بچاتا ہے" سے مراد خونریزی اور بے گناہ افراد کے قتل کی روک تھام ہے، چاہے یہ انفرادی انتقام کے ذریعہ ہو یا کسی غلط عدالتی عمل کے نتیجے میں، جو مبہم شبہ اور ممکنہ طور پر گمراہ کن واقعاتی ثبوت کے نتیجے میں ہو۔

شک کا فائدہ دینا

جب تک جرم ثابت نہ ہو، ملزم اس تک معصوم ہوتا ہے (مجرم نہیں کہلاتا)، یہ اسلامی قانون کا ایک اہم اصول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "جہاں تک بھی تمہیں اس کی گنجائش ملتی ہو سزا دینے سے بچو، جہاں تک بھی ممکن ہو مسلمانوں کو سزا دینے سے گریز کرنے کی کوشش کرو، اور اگر کسی ملزم کیلئے سزا سے بچنے کا راستہ ہے تو اسے چھوڑ دیں۔ کسی ملزم کو سزا دینے کا غلط فیصلہ کرنے سے بہتر ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔" ثبوت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مدعی یا الزام لگانے والے پر ثبوت کا بار ہوتا ہے۔ شک کا فائدہ اسلامی قانون کے تحت ملزم کو جاتا ہے۔ باب 11، "عائشہؓ کے خلاف بہتان" دیکھیں۔

لوگوں کے حقوق کی کڑی پابندی

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں ازراہِ ظلم تباہ کر دے۔ (سورہ ہود– 117)

اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔ (القصص– 59)

غلط عقائد میں، اللہ کی اپنے انبیاء کی جانب وحی کردہ سچائیوں کی تردید، اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار، یا خدائی قوتوں یا خصوصیات کو اس کے علاوہ کسی اور کے لئے مختص کرنا بھی شامل ہے۔اللہ کا عذاب لوگوں پر صرف اس لئے نہیں آتا کہ وہ شرک اور کفر کے ماننے والے اعتقادات رکھتے ہیں، بلکہ لیکن اللہ انھیں اس وقت عذاب ہے اگر وہ باہمی معاملات میں مستقل طور پر برائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور جان بوجھ کر دوسرے انسانوں کو تکلیف دیتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔

اسلامی قوانین کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے انسانوں پر عائد فرائض اس کی مغفرت اور آزادی کے اصول پر قائم ہیں، اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ اللہ غالب ہے اور اسے کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہے۔چونکہ انسان کمزور ہے اور اسے تحفظ کی ضرورت ہے، لہذا اس کے حقوق کا ہمیشہ سختی سے خیال کیا جانا چاہئے۔نیز، انسان کے خلاف کیے گئے گناہوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔نبی ﷺ نے فرمایا، "میری جماعت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزوں اور صدقات کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوگا، جب کہ اس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہوگی، دوسرے شخص کی ملکیت پر قبضہ کیا ہوگا اور خون بہایا ہوگا یا پھر کسی کو قتل کیا ہوگا، پھر اس کے نیک اعمال چھین کر ان سب کے حوالے کردیئے جائیں گے اور جب ان لوگوں کے معاوضے ادا کرنے کے لئے اس کے اچھے اعمال میں سے کچھ نہیں بچے گا تو پھر ان میں سے ہر ایک کے گناہ اس کے سپرد کردیئے جائیں گے اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

معافی کو عذاب پر زیادہ ترجیح دی جاتی ہے

اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کردے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں! (المائدہ:45)

ایگزوڈس 21: 23 ایف ایف دیکھیں، جہاں موزیک قانون کے تحت فراہم کردہ انتہائی سخت سزاؤں کی تفصیلات دی گئی ہیں۔پینٹاچ میں معافی کی اجازت موجود نہیں ہے، جو کہ نہ صرف قرآن مجید میں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بالخصوص ماؤنٹ کے خطبہ میں بھی بہت واضح ہے۔

متاثرہ شخص کو اسلامی قانون کے تحت مجرم کو معاف کرنے اور اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی طاقت دی گئی ہے۔مقتول کا معاف کرنے کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوتا ہے۔اگر متاثرہ شخص معاف کرنے سے انکار کرتا ہے تو عدالت سزا کا فیصلہ کرے گی۔

اصولی طور پر، تمام جرائم کی سزا ہونی چاہئے، لیکن سزا جرم کی شدت سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، جو مساوات کا اصول ہے۔یہ انصاف کا وہ اصول ہے جو مجرموں کو جرائم کا ارتکاب کرنے سے روکتا ہے۔رحمت کا قانون عدالتوں کو کسی مجرم کو اصلاح کی ترغیب دینے کے لئے جرائم کی سزاؤں کو ہلکا کرنے کا اختیار دیتا ہے۔

خطا کار کی سزا کے بعد کفارہ

یہ نبی اکرم ﷺ کی روایات سے اخذ کردہ اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول ہے کہ جب ایک مرتبہ حد سے تجاوز کرنے والا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد، طے شدہ قانونی سزا سے گزرتا ہے، تو اسے اس کا کفارہ سمجھنا اور اسے مکمل سمجھنا چاہیے۔حضرت ابو بکر کے کزن مہاجر مستاح کی کہانی پڑھیں، جس نے نبی ﷺ کی اہلیہ اور ابو بکرؓ کی بیٹی عائشہؓ کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلائیں (باب 11 ، "عائشہؓ کے خلاف بہتان" دیکھیں)۔

انسان اللہ کی سزا کی نقل تیار نہیں کر سکتا

اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کے دوران، نبی ﷺ چیونٹیوں کے انبار کے اس پار آئے جسے جلا گیا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کہ انھیں کس نے جلایا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم نے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "کسی کو آگ سے عذاب نہیں دینا چاہئے، سوائے اس کے کہ آگ کا رب آگ کے ذریعے عذاب دے۔"سدوم اور عمورہ کی کہانی میں، گندھک اور آگ کی آسمانی سزا نے دونوں شہروں کو تباہ کر دیا۔ آخرت کی زندگی میں، سخت مجرموں کو جہنم کی آگ میں سزا دی جائے گی۔موجودہ زندگی میں کسی بھی انسان کو آگ کے ذریعہ موت کا نشانہ نہیں بنایا جانا چاہئے، جیسا کہ پیغمبر ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

علامتی سزائیں

قرآن مجید نے گھناؤنے جرائم کی سخت سزا کا حکم دیا ہے۔ان میں سے بہت ساری سزاؤں، خاص طور پر جذباتیت کے جرائم کے لئے، علامتی ہیں ، تاکہ ان جرائم کی شدت کے بارے میں ایک نقطہ نظر بنایا جاسکےاور اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس کو باقاعدگی سے نافذ کیا جائے۔ناجائز جنسی تعلقات سے متعلق تمام جرائم میں اصل فعل کے چار عینی شاہدین کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عدالت کے کٹہرے میں جرم ثابت ہونا تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے۔اسلامی قانون کے تحت باقی جرائم میں اس کیس کو ثابت کرنے کے لئے صرف دو عینی شاہدین کی ضرورت ہوتی ہے۔

سزا میں لچک

عام عقیدے کے برخلاف، اسلامی قانون عام طور پر خاص صورتحالوں کو ایڈجسٹ کرنے میں لچکدار ہے۔جس طرح بہت سے اسلامی عقائد لچکدار اور دائرہ کار میں وسیع ہیں، اسی طرح جرائم کی سزا بھی متعلقہ جرم کے پس پردہ ارادے کی بنیاد پر لچکدار ہے۔جج کافی اعلی اقدار کامالک ہوتا ہے اور وہ ایسی سزا دے سکتا ہے جو جرم کے مطابق ہو۔قتل کی سزا مقتول کے لواحقین کے معاشی معاوضے سے لے کر موت کی سزا تک ہوسکتی ہے۔چوری کے جرم کے لئے، سزا معافی سے لے کر ایک ہاتھ کے کٹنے تک ہوتی ہے۔دوسرے خلیفہ کے

دور میں، عرب کو متاثر کرنے والے قحط کی وجہ سے ہاتھوں کو کاٹنے کی سزا ترک کردی گئی۔ بھوک سے مرنے والے لوگوں کو ضرورت کی بنا پر چوری کرنے کی ضرورت پڑسکتی تھی۔

برابری کا قانون

اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم وتعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔ مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کردے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورہ الشوری 39-40)

ظلم کے خلاف کامیاب جدوجہد اکثر سابق مظلوموں کے پہلے کی طرح کے ظالمانہ رویے کی وجہ سے انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہذا، کسی کا دفاع کرتے ہوئے "حق بات سے تجاوز کرنے" کی ممانعت ہے۔

شریعت کا نفاذ غیر مسلموں پر نہیں ہوتا

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ (2:256)

غیر مسلموں پر اسلامی قوانین کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس چیز نے غیر مسلموں پر مذہب کو زبردستی لاگو ہے۔ (سنگسار کرنے سے متعلق اس حصے کے باب 17، "جنسی زیادتی، فحاشی، زنا اور ہم جنس پرستی" کو دیکھیں، جس میں یہودی جوڑے کو تورات کے قوانین کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ باب 8 ، "مذہب کی آزادی" بھی دیکھیں)